التحریف

از۔ مولانا معین الدین صاحب۔ ناظم کتاب خانہ حبیب گنج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

تحریف کے معنی ہیں "کلام کی وضع بدل دینا"۔ اس تبدیلی کی تین صورتیں ہیں (۱) صحیح کو غلط کر دینا۔ عرفاً تحریف و تصحیف اسی معنے میں مستعمل ہے (۲) غلط کو صحیح کرنا۔ اس کو عرفاً تصحیح کہتے ہیں (۳) ایک کلام ایک اعتبار سے صحیح ہوا اور دوسرے اعتبار سے غلط۔ جس کو فرق اعتباری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں موقع محل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ صحیح کے موقع پر غلط کا اعتبار کرنا۔ یا غلط کے موقع پر صحیح کا اعتبار کرنا تحریف ہے۔ اس وقت ہماری پیش نظر تحریف کی پہلی اور تیسری صورت ہے۔ دوسری صورت کو چونکہ عرفاً تصحیح کہتے ہیں وہ شمار مضمون یعنی اغلاط پر متنبہ کرنے سے خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

اسباب تحریف

تحریف کبھی تو فرق سماعت سے واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے مثلاً کسی نے کہا۔ "یہ چیز دھیلی (یعنی نصف روپیہ) کی ہے" دوسرے کی سمجھ میں آیا۔ "یہ چیز دہلی (شہر) کا ہے۔"

کسی کاتب کے ادنیٰ تساہل سے واقع ہو جاتی ہے، جیسے، عذار، کی "ذال" کا نقطہ دائیں کی طرف کو ہٹ کر لگ جائے تو لفظ، غدار بن جائے گا۔ اور "فذر" کا قدر یا قذر ہو جائے گا۔ یحییٰ بن معین سے غالباً اسی تساہل کی بنا پر ابن مراجم، کا ابن مزاحم ہو گیا۔ (ابن مراجم)

ہی اس کا باعث ہوتی ہے جیسے کوئی "تیرو تبر" کو تتر بتر (منتشر) سمجھ لے۔ اور جیسے

عن ابی موسیٰ العنزی نحن قوم لنا شرف نحن من عنزۃ صلے الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ابو موسیٰ العنزی کا قول ہے کہ ہماری قوم کو بڑا شرف حاصل ہے ہم قبیلہ عنزہ سے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب نماز پڑھی ہے۔

غلط فہمی سے قبلہ (یعنی سترہ) قبیلہ بن گیا۔ اور ممکن ہے یہ قول تفریحاً کہا گیا ہو۔ تاہم تحریف سے خالی نہیں۔

اس غلط فہمی کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔

قرآن بن یسار الثقفی مسلمانوں میں ایک بہت دلیر شخص گذرا ہے۔ اس کے یہاں ایک لڑکی رہتی تھی جس کا نام لیلے تھا۔

ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں وہ اپنے اونٹوں کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ اکثر وہیں رہتا۔ ایک مرتبہ ایک غار میں اس کو ایک ہرن مل گیا۔ اس کو ذبح کرکے آلائش سے صاف کرکے رکھ لیا۔ اور (غالباً اسی روز یا اگلے دن) ایک دودھ بھرا مشکیزہ اور وہ ہرن لے کر شب کے قریب گھر پہنچا۔ راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے ان ہی میں یہ لیلیٰ بھی تھی۔ بچوں نے یہ عمدہ مال دیکھ کر آپس میں کہا ہے "اس مال سے کس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ کسی نے کہہ دیا لیلیٰ کی"

قرآن نے گھر پہنچکر لیلیٰ کو نہ پایا۔ سامان رکھ کر لیٹ گیا۔ گوشت کے بعض حصہ میں بدبو آ گئی تھی۔ لیلیٰ مکان کے صدر دروازے سے تو آئی نہیں ورنہ گوشت دیکھ لیتی۔ بلکہ دوسری جانب دریچے سے آئی۔ اور گھر میں بدبو محسوس کرکے کہنے لگی۔ "ارے یہ تعفن کیسا"

قرآن نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ مجھے کہہ رہی ہے۔ اس احمقانہ تحریف کا کیا نتیجہ ہوا اور کہاں تک یہ آگ پھیلی ایک طویل مضمون اور ہماری بحث سے خارج ہے۔ دیکھنا ہو تو کتاب المحبر باب غفائک الاسلام ملاحظہ ہو۔ کبھی بوقت تکلم حروف متشابہ الصوت میں زبان

یہ غلط ادائیگی کی بنا پر تحریف بن جاتی ہے، جیسے حثیث (سریع و حریص) کا حسیس (آواز نرم) وراحد، (یکتا) کا اہد (زیادہ ویراں یا بے مدخو فزدہ)

کبھی تفریحاً کلام میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اکثر پیار میں بچوں کا نام بگاڑ لیتے ہیں۔ پھر بگڑا ہوا نام مشہور ہو جاتا ہے۔

کبھی قصداً کسی بات میں تغیر تبدل یا اخفا کی صورت پیش آتی ہے۔ جیسے یہودیوں نے توراۃ میں ایسی ناشائستہ حرکت قصداً کی تھی۔ فرعون مصلحین کو مفسدین سمجھ کر ان ہذا ن لساحران یریدان ان یخرجاکم الخ کہہ بیٹھا اور اپنے ہی طریقہ کو بہتر سمجھا۔

اقسام تحریف

(۱) کلامی تحریف (۲) کلمی تحریف (۳) حرفی تحریف

(۱)

کلامی تحریف کی دو قسمیں ہیں۔ موضوعی تحریف۔ اسلوبی تحریف۔ موضوعی تحریف مثلاً (۱) بیان محامد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ذمائم کی مذمت کرتے ہوئے ممدوح سے نفی کی جائے جیسے" ان اللہ لیس بظلام للعبید" ایسی صورت میں کوئی مرتکب ذمیمہ یہ سمجھ کر کہ میری مذمت سے چراغ پا ہو جائے۔ (۲) کلام مثبت کو منفی یا منفی کو مثبت یا ایک کلام کی بجائے دوسرا کلام یا نفس کلام ہی کو حذف کر دینا۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا ہے۔

اسلوبی تحریف۔ مثلاً تفریحی کلام کو غیر تفریحی سمجھ کر اس سے نتائج اخذ کرنا یا کسی کا اپنے مخالف کو سنانے کے لئے تفریحی طرز میں ایسی بات کہہ دینا جو اسکو ناگوار گزرے اور وہ اس تفریحی طرز کی بنا پر کچھ کہہ نہ سکے۔

(۲)

کلمی تحریف کی چار صورتیں ہیں۔ لغوی مع اصطلاحی۔ ایزادی مع تحقیقی۔ تجنیسی

ترکیبی:-

لغوی مع اصطلاحی۔ مثلاً کوئی کلمہ لغوی یا (اصطلاحی) معنے میں استعمال کیا گیا ہو۔ اس کلمہ کو اپنی اغراض کی بنا پر بجائے لغوی معنے کے اصطلاحی معنے پر منطبق کرنا۔ جیسے "سونا" مصدری لغوی معنے نیند میں ہونا۔ اور اصطلاحی معنے کام سے غافل ہونا۔

کبھی یہ صورت مادہ کی تبدیلی سے بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ "لا تقولوا راعنا" کی ممانعت اسی بنا پر ہے۔ یہ لفظ اصل میں "رعایت" سے ہے مگر رعیت سے بمعنے محکوم یا چرواہا اور رعونت بمعنے احمق بھی ہو سکتا ہے۔ مومنین باوجودیکہ اصلی معنے میں استعمال کرتے تھے پھر بھی ممانعت کی گئی۔

ایزادی مع تحقیق۔ جیسے حظ کو حنطہ۔ اور بالعکس تجنیسی۔ جیسے حظ کو عظہ اور جنیس کو خنیس یا حشیش۔

ترکیبی۔ جیسے "عصی آدم ربّہٗ" میں پیش کی بجائے زبر اور زبر کی بجائے پیش پڑھنا کفر ہے۔ اور مثلاً "آپا" بمعنے ہمشیرہ اور "جی" کلمہ تعظیم ہے۔ اب کلمہ "آپاجی" کو "آ" صیغہ امر اور پاجی، کلمہ تحقیر سے تحریف کرنا۔

(۳)
حرفی تحریف

حروف کی متعدد قسمیں ہیں۔ بعض ہم مخرج۔ بعض قریب المخرج۔ ان دونوں قسموں کے حروف حسب قواعد صرفیہ و قرأتیہ باہمی تبدیلی اختیار کر لیتے ہیں جیسے کُذّبت مّن کفرِ اور قُل رّبّ وغیرہ۔ چنانچہ اس کے خلاف کذت۔ منِ تکفر۔ اور قُل رَبَ۔ وغیرہ پڑھنا تحریف ہے۔

بعض حروف متشابہ الصوت یعنی تقریباً ایک سی آواز کے ہیں۔ ایسے حروف میں فرق اور امتیاز مخرج اور صفات کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ یعنی جن حروف کا مخرج ایک ہو تو صفات سے امتیاز کیا جاتا ہے اور جن کی صفات کلاً یا بعضاً ایک ہوں تو مخرج اور بقیہ صفات سے امتیاز ہوتا ہے۔ گویا آواز

میں مشابہت کے لئے اتحاد یا قرب مخرج یا صفات کثیرہ میں متحد ہونا ضروری ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ اس قسم کا اتحاد مشابہت کو لازم کرلے ۔ مثلاً "ت" اور "دال" کے مخرج اور تین صفتوں میں اتحاد ہے ۔ مگر آواز میں مشابہت نہیں ۔

ذیل میں ہم ایک سی آواز والے چند حروف کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔

حروف	مخارج	صفات	آواز میں مشابہت کی وجہ
ت	زبان کی نوک اور اوپر کے دانتوں کی جڑ	شدیدہ ۔ مہموسہ ۔ مستفل ۔ منفتح آواز بند | سانس جاری | زبان نیچے رہے منہ کھلا رہے	مخرج اور صفت شدت میں موافقت کی بنا پر آواز میں مشابہت ہے
ط	〃	〃 مجہورہ ۔ مستعلی ۔ مطبق ۔ مقلقل ۔ مفخم ۔ سانس بند ۔ زبان اوپر ۔ زبان تالو سے ہو بہو ٹکر لگے ۔ دانتوں سے نہ لگے ۔ پُر ہو کر	باقی صفات سے امتیاز ہوتا ہے ۔
ث	زبان کی نوک اوپر کے دو دانتوں کا کنارہ	رخوہ ۔ مہموسہ ۔ مستفل ۔ منفتح ۔ آواز جاری	قرب مخرج اور چار صفتوں میں موافقت کی بنا پر آواز میں
س	زبان کی نوک اور نیچے کے دانتوں کا کنارہ	〃 〃 〃 〃 صفیر سیٹی کی سی آواز	مشابہت ہے ایک صفت سے امتیاز ہوتا ہے ۔
ص	〃	〃 〃 مستعلی ۔ مطبق ۔ 〃 (اطباق کے لئے استعلا لازم ہے)	س سے مخرج اور تین صفتوں میں متحد ہے ۔
ذ	ث کا مخرج	〃 مجہورہ ۔ مستفل ۔ منفتح ۔	قرب مخرج اور چار صفتوں میں
ز	س کا مخرج	〃 〃 〃 〃 〃	موافقت ہے
ظ	ث کا مخرج	〃 〃 مستعلی ۔ مطبق ۔ مفخم	ذال سے مخرج اور دو صفتوں میں متحد ہے
ض	زبان کا وہ کنارہ جو داڑھوں سے ملا ہوا ہے کسی ایک طرف کی اوپر کی داڑھوں کی جڑ سے لگا کر	〃 〃 〃 〃 〃 مستطیل (مخرج اور آواز میں طول ہے)	ظ کی تمام صفتوں سے متحد ہو کر صرف استطالت اور مخرج کا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ظ کی آواز باہر کو نکلتی ہوئی معلوم
		نوٹ :- چونکہ ناواقف لوگ "ض" کو "دال" کی سی آواز سے ادا کرتے ہیں اسلئے ہم دال کو بھی اس نقشہ میں دکھلاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ "دال" کی "ض" سے سوائے صفت کے اور کوئی مناسبت نہیں ۔	ہوگی اور جلد ختم ہو جائے گی اور ض کی آواز منہ کے اندر گھومتی ہوئی معلوم ہوگی ۔ اور صفت استطالت کی بنا پر کچھ دیر قائم رہے گی ۔
د	ت کا مخرج	شدیدہ ۔ مجہورہ ۔ مستفل ۔ منفتح ۔ مقلقل ۔	.

مخرج یا صفت بدل جانے سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ جیسے "قنوت" فرمانبرداری قنوط
ناامیدی، ربث، روکنا، ربس، سختی۔ ربص، انتظار۔ "ذل"، ذلیل ہوا۔ زل" پھلا۔ ظل" ہوگیا۔ ضل"
گمراہ ہوا۔ واقف کیلئے ایسے حروف مماثل (یعنی ذ۔ ث۔ ض۔ وغیرہ کو ز۔ س۔ ظ۔ وغیرہ) کے
مخرج سے نکالنا تحریف ہے۔

خدا بھلا کرے فقہا کا انھوں نے عوام الناس کی سہولت کے لئے ان متشابہت الصوت
حروف میں جن میں امتیاز دشوار ہے۔ ایک کے بجائے دوسرا ادا ہو جانے پر نماز جائز ہو جانے کی
اجازت دیدی ہے۔ ان پر خدا کی رحمت۔

مغالطہ ۱

سراج القاری شرح شاطبیہ میں حرف "ض" کی صفت استطالت کے بیان میں لکھا ہے
اس کی لمبائی زبان کی جڑ سے لام کے مخرج تک مل جاتی ہے

لفظ "تک" (یعنی الیٰ وحتیٰ) انتہاء غایتہ کے لئے ہے اور غایتہ اور مغیا اگر ایک جنس
کے ہوں تو حکم میں بھی شامل رہتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور "لام" کا مخرج زبان کا وہ کل کنارہ ہے
جو صرف دانتوں سے ملا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ صرف نوک کے کنارہ سے بھی نکل آتا ہے۔ اس مخرج
کا ذرا سا حصہ (یعنی نوک زبان) "دال" کا مخرج ہے۔ بعض ہندی علماء نے غایتہ کو مغیا میں داخل
خیال کر کے "ض" کے مخرج میں زبان کا سب کنارہ لکھ دیا ہے۔ اور بعض قرار نے اسکی آواز
کو "دال" اور "ظ" کے بین بین مگر "ظ" کے قریب لکھا ہے۔ حقیقت میں اس جملہ کا مطلب یہ
ہے کہ "ض" کے مخرج کے طول کی انتہا لام کے مخرج کی ابتدا سے مل جاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ "ض"
کے مخرج میں زبان کا کل کنارہ استعمال ہوتا ہے

طواد۔ لواد۔ دواد

اسی مغالطہ کی بنا پر اکثر مصر والے حرف "ض" کو طواد۔ اور حبشہ والے بعض لوگ
لواد، اور بعض دواد کہنے لگے۔ (تمہید ابن الجزری) بہ نسبت لواد کے طواد اور دواد کی

تحریف نہایت بدترین تحریف ہے۔ اس لئے کہ "ط" اور "د ل" کی آواز میں قلقلہ (یعنی مخرج میں ٹکر سی لگنا لازمی ہے "ض" اور "ظ" کی آواز میں قلقلہ ثابت نہیں۔ نیز زبان کے اگلے حصہ کو استعمال کئے بغیر ط۔ د۔ ل۔ کی آواز نکل نہیں سکتی اور "ض" کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصہ استعمال میں نہیں آتا بلکہ زبان کا آخری اور درمیانی حصہ مستعمل ہوتا ہے۔

یہ حرف اس طریقہ سے صحیح ادا ہو جائے گا۔ زبان کے اگلے کنارہ کو نیچے کے دانتوں کی جڑ سے چپاں کرلو۔ اور درمیانی حصہ کو آہستگی سے تالو کی طرف اٹھالو۔ اور اس درمیانی حصہ کے کسی ایک طرف کے کنارہ کو اوپر کی ڈاڑھوں سے لگا کر سانس کو روکتے ہوئے آواز کو جاری رکھو۔

حروف متشابہ الصوت میں عوام الناس تو امتیاز کر ہی نہیں کر سکتے۔ خواص کو بھی "ض" اور "ظ" کی آواز میں امتیاز کرنا مشکل پڑتا ہے۔ محققین نے اس حرف کو اصعب الحروف لکھا ہے حقیقت میں اس حرف کا صحیح ادا کرلینا ہر کسی کا کام نہیں۔ تاہم تحریف سے بچنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ "ض" کو ط۔ ظ۔ د۔ ل۔ اور غین کے مخرج سے بچا لیا جائے۔ البتہ "ظ" کی آواز سے ملتی جلتی رہے۔

(نوٹ) غین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ "ض" کو مخرج سے صفات کے ساتھ ادا کرتے وقت (ادنیٰ تساہل سے) غین کے مخرج میں کچھ حرکت پیدا ہو جاتی ہے اس سے بھی بچنا چاہیئے۔

ایک عام غلطی اور ہو رہی ہے کہ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ کی ادائیگی میں کچھ "واو" کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ان حروف کو اس طریقہ سے ادا کرنا چاہیئے کہ "واو" کی بو بھی نہ آنے پائے۔ جس کی ترکیب یہ ہے کہ حروف کو ادا کرتے وقت لبوں میں ادنیٰ حرکت بھی پیدا نہ ہونے دیں۔

عربی زبان کے حروف بعض تو ہم شکل ہیں۔ جیسے ب۔ ت۔ ث۔ بعض ہم مخرج

ہیں۔ جیسے، د۔ ت؛ بعض ہم آواز ہیں۔ جیسے، س۔ ث؛ مگر معنی میں کہیں زمین آسمان کا فرق ہے کہیں قریب قریب ہیں۔ اگر ایک کی بجائے دوسرا ادا ہوجائے یا لکھ دیا جائے تو کلمہ بگڑ جائے گا۔ معنی بدل جائیں گے۔ اور نماز فاسد ہوجائے گی۔ اس ہی بنا پر فقہا نے عوام الناس کی سہولت کے لئے ان متشابہ الصوت حروف میں جن میں امتیاز دشوار ہے ایک کی بجائے دوسرا ادا ہوجائے تو نماز جائز ہوجانے کا فتویٰ دے دیا ہے (شامی مسائل زلۃ القاری)۔ لہذا حرف "ض" کو اگر دال کی سی آواز سے ادا کیا تو یقیناً نماز فاسد ہوجائے گی۔ اس لئے کہ ان دونوں حرفوں میں نہ شکل کی مناسبت ہے نہ مخرج کی نہ آواز کی۔

بعض احمق لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے بڑوں بڑوں کو اسی طرح پڑھتے سنا ہے اسی معنی کا جملہ ابتداء اسلام میں کفار نے کہا تھا: "انا وجدنا آبائنا کذٰلک یفعلون" (ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے)۔

تحریف کی یہ تمام صورتیں آیت کریمہ "یحرفون الکلم عن مواضعہ" میں داخل ہیں۔ اور قواعد کے خلاف قرآن شریف میں تحریف کرنے والا اسلام سے خارج ہے۔ جیسے "عصیٰ آدمَ ربُّہ" اور "واذ ابتلی ابراہیمُ ربَّہ" بہ نیت صحت پڑھنے والا سبقت لسانی سے اگر ایسا ہوجائے تو معاف ہے۔ مگر صحت کے ساتھ اعادہ ضروری ہے۔

مغالطہ ۳

مسائل زلۃ القاری کے سلسلہ میں اس حرف کے متعلق فقہا کے مختلف اقوال، جن صاحب کی نظر متشابہ بالدال سے جواز صلوۃ کے قول پر پڑتی ہے وہ اس حرف کے نام ہی کو "دواد" تسلیم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اس بحث کا منشا محض اتفاقات پر مبنی ہے۔ دائمی تبدیلی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ حقیقت میں ان اقوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر اتفاقاً کہیں ایسی صورت پیدا ہوجائے اور معنی نہ بگڑیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

جیسے، ضالین کو ظالین یا دالین، پڑھ دے۔ کہ دونوں صورتوں میں معنے نہیں بگڑتے۔ (کبیری)۔ اور اگر بعض الظالم کو یعد الظالم، پڑھ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ بعض کے معنی دانت سے کاٹنے کے ہیں اور "یعد" کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ ایسے ہی "مغضوب" اور "معذوب" ہیں۔ مغضوب کے معنی ہیں غصہ کیا گیا اور معذوب کے معنی ہیں ڈاٹ دار یا گھنڈی دار یا غدود والا۔ آیۂ کریمہ کا منشاء دائمی تحریف کا ہے۔ اتفاقی صورتیں اس میں داخل نہیں۔

عالمانہ تحریف

یہ ایک کلیہ ہے کہ عالم کی غلطی سے تمام قوم گمراہ ہو جاتی ہے۔ پھر جب کوئی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو قوم میں افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی صورت اس "ض" کے قصہ میں رونما ہے۔

تمہید ابن الجزری میں ہے: "وقد حکی ابن جنی فی کتاب التنبیہ وغیرہ ان من العرب من یجعل الضاد ظاء مطلقا فی جمیع کلامھم وھذا غریب وفیہ توسع للعامۃ"

جس عالم کی اس عبارت پر نظر ہو اس سے جب اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جائے تو تحقیق سرگردانی سے بچتے ہوئے یہ کہہ دیتا ہے کہ اس حرف میں بہت گنجائش ہے۔ جس طرح بھی ادا کر لیا جائے درست ہے۔

اس فتوے سے "دوادیوں" کی ہمت افزائی ہو جاتی ہے۔ عالم صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ گنجائش صرف "ض" اور "ظ" کی باہمی تبدیلی کی ہے نہ یہ کہ جس حرف سے چاہو بدل لو۔

مفتی عنایت احمد صاحب اپنے رسالہ "البیان الجزیل" میں لکھتے ہیں۔ "مگر ایک بلائے عام زمانے میں یہ ہو گئی ہے کہ "ض" کو بصورت دال کے پڑھتے ہیں یا مشتبہ الصوت دال کا اسے

کردیا ہے کہ دال پُر نہیں وہ پُر ہے۔ سو یہ بات جملہ کتب قرات اور تفسیر اور فقہ کے علا
سب کتابوں میں "ض" کا مشتبہ الصوت ہونا ظ سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ "دال" سے اور ؤ
عبدالمالک صاحب تعلیقات المالکیہ میں لکھتے ہیں "ضاد کا دال مہملہ سے فصل اور ا
چونکہ آسان ہے اور مشقت کے درجہ میں نہیں اسلئے ضاد کی جگہ دال مہملہ جائز۔ مسرتقیہ یا منو
پڑھنے سے چونکہ فتاوی خانیہ "واقرا الدالین بالدال فسد صلوٰۃ" کا جزیہ
موجود ہے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

بعض علما کا یہ قول بھی صحیح نہیں کہ "اسکو اس رخ سے ادا کرنا چاہئے کہ جو اصل ہے و
ادا کیا جا رہا ہے اگر ادا نہ ہو تو معذوری ہے" اس لئے کہ یہ حکم "الثغ" (تتلے) کے لئے
اس کے لئے حرف "ض" ہی کی تخصیص نہیں بلکہ تمام حروف اسی درجہ میں ہیں۔ جواز "دو
کے لئے اس قسم کی جو تاویلیں بھی ہوں وہ علما کا تحکم ہے۔

چونکہ میرے نزدیک ایسی تحریف سے نماز نہیں ہوتی اسلئے میں اکثر ترک جماعت کا
رہتا ہوں۔ اس بات کو محسوس کرکے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ چونکہ جماعت
احترام ضروری ہے۔ اس لئے جماعت میں ضرور شریک ہونا چاہئے۔ اسکے بعد آپکو اعادہ
اختیار ہے۔ میں نے یہ کہہ کر وقت کو ٹالدیا کہ اچھا میں اس پر غور کرلوں۔ مولوی صاحب کا
کا خیال اس طرف نہ گیا کہ جب نماز ہی کی صحت میں کلام ہے اور جماعت اس کے تابع
تو نفس جماعت کا احترام کیا معنی رکھ سکتا ہے۔ تمثیلاً حنفی اور شافعی مذہب میں ایک م
طہارت میں ایسا اختلاف ہے کہ شوافع کے نزدیک طاہر ہے اور احناف میں غیر طاہر۔ فر
کرو کسی موقعہ پر شافعی امام ہے اور حنفی کو اپنے مذہب کے مطابق اس کے غیر طاہر ہو
علم ہے تو کیا اس صورت میں جماعت کے احترام کی بنا پر حنفی کو جماعت میں شریک ہو
ہے؟ بخلاف احترام وقت کے کیونکہ نماز تابع وقت ہے۔ اگر وقت کے اندر کوئی
عذر پیش آجائے جس سے نماز میں کراہت آتی ہو تو احترام وقت کی بنا پر نماز پڑھ لینی چا
اس کے بعد اگر اس نماز کا اعادہ کرلیا جائے تو بہتر ہے۔

مجھے تو صرف اپنے ہندوستانی بھائیوں کے قرآن شریف میں "دواد" پڑھنے پر شکوہ ہے۔ مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ کو اپنے زمانہ میں "دواد۔ زواد۔ طواد۔ ظواد۔ لواد" پڑھنے والوں سے شکوہ تھا۔ لطیفہ یہ ہے کہ "ذ۔ ط۔ ظ۔ ل" سے مشابہت کی وجہ تو بھی ہو سکتی ہے گو ضعیف اور لغو سہی۔ مگر دال سے مشابہت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی

واضح رہے کہ بعض حروف عربی زبان کے مخصوص ہیں جس کلمہ میں بھی پائے جائینگے خواہ کسی زبان میں مستعمل ہوں وہ کلمہ عربی ہی رہے گا۔ جیسے ث۔ ض۔ وغیرہ۔ اسکے تلفظ میں تغیر تبدل جائز نہیں۔ ورنہ وہ کلمہ غیر فصیح ہو جائے گا۔ چنانچہ عام گفتگو میں حرف "ض" ظ۔ یا۔ ز۔ کی آواز کے مشابہ بولا جاتا ہے۔ جیسے عرض۔ قرض۔ وضو۔ ضرورت۔ حضرت۔ ضمانت بغض۔ نبض۔ فیض۔ ضمیر۔ راضی۔ قاضی۔ ماضی۔ حاضر وغیرہ۔ حیرت ہے کہ قرآن شریف میں اس حرف کو دال کی سی آواز سے ادا کیا جائے اور عام گفتگو میں ظ۔ یا۔ ز کی آواز سے بولا جائے۔ البتہ بعض دیہاتی الفاظ میں "ق" کو "گ"۔ اور "ض" کو دواد بولتے ہیں۔ جیسے "تگادہ" (تقاضہ) اب اگر قرآن شریف میں ایسی دیہاتیت جائز ہو تو میں بھی دوادیوں کے پیچھے نماز پڑھنے لگوں۔ بہتر ہو کہ کوئی صاحب "دواد" کے مدلل ثبوت سے مجھے مطلع فرمائیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ باہمی اختلاف کبھی سبب رحمت ہوتا ہے کبھی سبب زحمت۔ مثلاً "فاتحہ خلف الامام" چونکہ دونوں طرح ثابت ہے اس لئے حنفی۔ شافعی۔ اختلاف رحمت ہے۔ اور رسومات "شادی وغمی" وغیرہ میں شریعت کے خلاف امورات بدعیہ کا مرتکب ہونا زحمت ہے۔ اسی طرح دوادیوں کا صحیح پڑھنے والوں سے اختلاف کرنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرہ ۔

قرار کا مضحکہ

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں "من لم یجود القرآن آثم" قرآن شریف بذریعہ صوت

نازل ہوا ہے۔ چنانچہ مباحث لفظیہ میں سے پہلی بحث "اصوات الحروف" ہے جس سے فن تجوید کا تعلق ہے۔ دوسری بحث "ترکیب الحروف و الکلمات" ہے جس سے علم صرف ونحو کا تعلق ہے اور مباحث معنویہ میں سے پہلی بحث "معنے" کی ہے۔ جس سے فن لغت کا ہے۔ دوسری بحث "ترکیب استعمال کی ہے" جس سے فن بلاغت کا تعلق ہے تیسری بحث معانی ومطالب کی ہے جس کو فقاہت کہتے ہیں۔ گویا فہم معانی ومطالب صحت الفا موقوف ہے۔ لہٰذا قرآن شریف میں لفظی غلطی یقیناً داخلِ معصیت ہے۔ جس کی طرف علامہ جمدی رحمت لم یجد القرآن آئم میں اشارہ فرمایا ہے ہیں۔ اور امام غزالیؒ عجیب مضحکہ آمیز جملہ تحریر فرماتے ہیں: "چونکہ قرآن کی پوری توجہ تحقیق حروف ا ان کو مخارج سے ادا کرنے پر موقوف رہتی ہے۔ لہٰذا فہم معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ گویا ان کے اور معانی کے درمیان ایک شیطانی پردہ پڑ جاتا ہے اس شیطان خوب قہقہہ لگاتا ہے۔

امام غزالیؒ کا صرف قراء کو مخصوص کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس زمرہ میں صرفی و نحوی وغیرہ حتیٰ کہ راویانِ حدیث بھی شامل ہیں کیوں کہ انکا موضوع محض تصحیح کلام ونقلِ کلامِ رسول صلعم ہے۔ معانی سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔ نیز یہ شیطانی قہ ان تمام افراد پر بھی صادق آجائے گا جو بغیر فہم معانی کے احکام شرعیہ پر صحیح عمل کرتے ہیں جس میں ایک طبقہ صوفیہ بھی شامل ہو جائے گا۔ پھر اس شیطانی قہقہہ سے بچنے کے لئے محض معانی کو قائم رکھتے ہوئے اگر الفاظ قرآنی بدل جائیں تو کیا جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیدیا جائے گا۔ اس جملہ کی تاویل اس طرح ممکن ہے کہ امام غزالیؒ کا منشا معانی کی طرف سے مطلقاً غفلت کا ہے۔ اگر کم از کم اتنا علم ہو جائے جس سے نماز کی صحت قائم رکھ سکے تو اس جملہ میں داخل نہیں۔ مثلاً مغضوب کے "ض" کو "دال" کی سی آواز سے ادا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے مغضوب کے معنی ہیں غصہ کیا گیا۔ اور مغدوب کے معنی ہیں طمانچہ مارا گیا کھدیڑا

یا مذودوالا ۔

خود امام غزالیؒ ہی اس حرف کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ض اور ظ" کے درمیان امتیاز کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔

اس جملہ سے دو باتوں کا پتہ چلا (۱) ان دونوں حروف کی آواز میں بہت زیادہ بہت مشابہت ہونا (۲) اس مشابہت کو قائم رکھتے ہوئے امتیاز کرنا دشوار ہوتا اس لئے کہ "ث" اور "س" میں بھی مشابہت ہے مگر امتیاز دشوار نہیں ۔

تحریف اعتباری

تحریف کی تیسری صورت اعتباری ۔ یعنی ایک کلام ایک اعتبار سے غلط ہوتا ہے ۔ دوسرے اعتبار سے صحیح جیسے مثلاً (۱) بعض علماء کے نزدیک قرآن شریف پڑھنے کی اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہیں ۔ اس اعتبار سے تراویح میں قرآن شریف پڑھنے کی اجرت ناجائز قرار پاتی ہے ۔ مگر دوسرے اعتبار سے یہ اجرت قرآن شریف پڑھنے کی نہیں بلکہ امامت تراویح کی اجرت ہے بلا تکلف جائز ہے ۔

(۲) نواب صدر یار جنگ بہادر بعد مغرب کپڑے کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھا کرتے ہیں ۔ اس حالت میں کبھی ایسی غنودگی بھی ہوجاتی ہے کہ تسبیح ہاتھ سے گری متنبہ ہوئے اور تسبیح اٹھالی ۔ ایک مرتبہ اس وقت راقم پہنچ گیا ۔ نواب صاحب کرسی سے اٹھے اور مجھ کو اسی کرسی پر اپنی نشست کی طرح بٹھلایا ۔ پھر فرمایا "اگر ایسی حالت میں نیند آجائے تو وضو رہے گا یا نہیں" میں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا کہ وضو نہیں رہے گا ۔ نواب صاحب پر اس کا اثر ہوا اور فرمایا کہ "اب تو عشاء کی نمازیں بہت ضائع ہوئیں" اس کے بعد میں چلا آیا ۔ اگلے دن صبح کو بعد نماز فجر مسجد میں پھر فرمایا کہ "عشاء کی نمازیں بہت ضائع ہوئیں" مجھے متنبہ ہوا اور غنودگی کی کیفیت خیال میں آئی ۔ میں نے عرض کی کہ آپ "اسکوہ نوم"

میں نے اس کی ایک چنگاری اٹھالی گود میں
اور اپنے جسم کو اس سے جہنم کرلیا۔
پھر اسی کی آنچ سے پہنچا کے اک سیدھی لپیٹ!
کردیا تجھ کو بھسم۔ اے فتنۂ یادِ حرم!
تیری کج رفتاریاں غیروں کی آوردہ نہیں؟
سچ بتا تو ہند کے دشمن کی پروردہ نہیں؟

سہیلیاں (سب مل کر): اے مرے ہندوستاں!
اے خطۂ جنت نشاں!

تعصب: چھوڑ یہ جھوٹے ترانے، بھول یہ دھوکے کی چال

سب مل کر: کتنی پرآشوب ہیں
تیرے جنوں کی سرگرمیاں۔
تیرا دشمن ہو رہا ہے
کیوں تیرا عسنرم جواں
اور آنکھوں پر بندھی ہیں
دشمنوں کی پٹیاں۔

علم: "عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی!
نقشِ گرِ ازل ترا نقش ہے نا تمام ابھی
خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر!
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی!
دانش و دین و علم و فن بندگیٔ ہوس تمام!
عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی!

بعد مسافت سے ولیِ قریب کی ولایت باطل ہو کر ولیِ بعید کو حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا
یحِ ثانی درست ہے۔

صدق اللہ العلی العظیم وفوق کل ذی علم علیم

الغرض ایسی صورت میں غلط کے موقعہ پر صحیح کا اعتبار کرنا یا صحیح کے موقعہ پر غلط
اعتبار کرنا تحریف ہے۔ گرچہ دونوں اعتبار صحیح ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

تحریف و تصحیف کا ایک عجیب و غریب واقعہ جو اس مضمون کا باعث ہوا

علامہ طیبیؒ متوفی ۷۴۳ھ کی تصانیف کچھ تو نادر الوجود ہیں اور کچھ کمیاب ہیں۔
اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان تصانیف میں سے کوئی بھی کسی مطبع کی مرہون منت
نہیں۔

خیال تھا کہ کتاب خانہ "حبیب گنج" کا ان درر حکمیہ میں کچھ تو حصہ ہونا چاہئے۔
الحمد للہ یہ امید بر آئی۔ اور ان تصانیف میں سے دو عقد الجواہر نے کتابخانہ کو زینت
بخشی۔ ایک رسالہ اصول الحدیث۔ دوسری شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ افسوس یہ معلوم نہ ہو سکا
کہ یہ شرح کس کاتب کے قلم کی منت پذیر ہے۔ نہ سنِ کتابت ہے ما تنا پتہ ضرور چلا کہ
کاتب صاحب خط نسخ عرب میں پختہ قلم ہیں، عالم فاضل ہیں۔ مگر ایک مشہور جملہ "عاقلاں
پروائے نقط نکنند،" پر عامل ہیں۔ رحمہ اللہ۔

اس کتاب نے جب کتاب خانہ حبیب گنج کو شرف بخشا تو نہایت بوسیدہ کرم خوردہ اور
جزی تھی۔ خدمت کی گئی۔ الحمد للہ جب وہ اچھی حیثیت میں ہو گئی تو دل میں اس کے مطالعہ
کی گدگدی پیدا ہوئی جستہ جستہ دیکھا۔

معارف علیا نے نقل کا اشتیاق پیدا کیا۔ چنانچہ کچھ کم و بیش دو سال کی مدت میں

پوری کتاب نقل ہوگئی۔ اس کے بعد ترجمۃ المصنف کا اضافہ بھی ہوگیا۔ والشکر للہ۔
مساقی باوجود پوری کتاب نقل کر لینے کے طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ پھر مطالعہ کو جی چاہا۔ اور خیال کرے کہ جس لغت کو دیکھنے کی ضرورت پیش آئے یا کوئی مقام توضیح طلب ہو تو اس کو قلمبند اور واضح کردیا جائے۔ مطالعہ شروع کیا۔

باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثالث کی چوتھی حدیث پر پہنچا تھا کہ چلتے چلتے عبارتِ ذیل میں ٹھوکر کھائی

"فتمسک بسنۃ × خیر من احداث بدعۃ مستحسنۃ"

خیال ہوا کہ "بسنۃ خیر" کے درمیان کوئی لفظ اور ہونا چاہئے۔ جو شائد میرے قلم سے رہ گیا۔ منقول عنہ میں یہ مقام نکالا۔ دیکھا۔ معلوم ہوا کہ لفظ تو ہے مگر ایسا قلم زدہ ہے کہ پڑھا نہیں جاتا صرف "رۃ" ظاہر ہے۔ خوشی بھی اور افسوس بھی۔ خوشی اس بنا پر کہ میرے قلم کی لغزش نہیں۔ افسوس اس لئے کہ ایک تو وہ لفظ خود بے نقط تحریر تھی۔ اس پر کسی ظالم کی دست اندازی نے باُس ہی معدوم کردیا۔ قیاس پر زور دے کر ایک لفظ بنایا کہ یہ ہوسکتا ہے۔ مگر اپنے قیاس پر اعتماد نہ ہوا۔ دشت تحقیق و تلاش میں بادیہ پیما ہوگیا۔ اِدھر دیکھا۔ اُدھر ڈھونڈا۔ بالآخر "جوئندہ یابندہ" ملا علی قاری کی "مرقاۃ المصابیح" میں ملا۔ اس ملنے سے اگر نہ ملتا تو بدرجہا بہتر تھا۔ وہ لکھتے ہیں: "فتمسک بسنۃ ای صغیرۃ او قلیلۃ کاحیاء آداب الخلاء مثلاً علی ما ورد فی السنۃ"۔

آتنا دیکھ کر خیال ہوا کہ وہ لفظ نہ صغیرۃ ہوسکتا ہے نہ قلیلۃ۔ کوئی اور ہی لفظ ہے۔ آگے چلا ذیل کی عبارت ملی۔

"واما قول الطیبی ای بسنۃ قذرۃ فلغزۃ قلم وزلۃ قدم مما تنفر عنہا الطبع ویمجہ السمع۔ قال ابن حجر ولولا اشتہار علم الرجل وتحقیقہ وحسن حالہ وطریقۃ لقضی علیہ بہذہ الکلمۃ بامر عظیم کیف واصحابنا مصرحون بان من استقذر شیئاً منسوبا الیہ صلی اللہ علیہ وسلم

کفروالسنۃ المنسوبۃ الیہ توصفہا بالقذرۃ لوقع فی تلک الورطۃ۔ لولا امکان تاویلہ بانہ لیصفہا بالقذارۃ من حیث کونہا سنۃ بل من حیث تعلق فعلہا بستقذر وہذا یفرض قیوہ انما یمتع الکفر فحسب لا الشناعۃ والقبح وسوء الادب"

یہ عبارت دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

افسوس ہی نہیں بلکہ صدمہ تک نوبت پہنچ گئی کہ اپنا قیاس کردہ لفظ تو نہ نکلا۔ اور جو نکلا وہ نہایت لغو۔ اور غالباً اسی کو دیکھ کر کسی نے اس لفظ کو قلم زد کیا ہے۔ اور شاید اسی جرم میں علامہ طیبیؒ کی کوئی تصنیف طباعت واشاعت کا مرتبہ حاصل نہ کرسکی۔

اپنی اس کیفیت سے سکون کے بعد علامہ طیبیؒ۔ ابن حجر ہیثمیؒ اور ملا علی قاریؒ کی حیثیت پر نظر ڈالی۔ معلوم ہوا کہ علامہ طیبیؒ کا علم وفضل تقویٰ وتورع ابن حجر اور ملا علی قاری کو بھی تسلیم ہے۔ مگر کلام سے غوامض ونکات تک پہنچنے میں جتنی علامہ طیبی کو دسترس ہے ابن حجر ہیثمی اور ملا علی اس کے عشر عشیر بھی نہیں۔ علامہ طیبی فنون تفسیر وحدیث اور علم البیان میں امام کی حیثیت رکھتے ہوئے اصناف لغت کے بھی ماہر ہیں۔

کلام کی تطویل (بات کا بتنگڑ بنانے) میں ملا علی قاری ابن حجر ہیثمی کے شاگرد ہیں۔

ابن حجر لفظ "قذرۃ" کو دیکھ کر پہلے تو دست وگریبانی کو تیار رہوئے۔ پھر تاویل کرنے میں اپنا وقت اور دماغ خرچ کر ڈالا۔ تاہم فیصلہ خلاف ہی رہا۔ ملا علی قاری اس درجہ کے بھی نہ تھے۔ نقل راچہ عقل کرکے خاموش ہوگئے۔ آگے قدم نہ بڑھ سکا۔ اس طرف کسی کا خیال نہ گیا کہ کسی گندہ ذہن کاتب کی تند افشانی بھی ہوسکتی ہے۔ دماغ میں الجھن رہی۔ کبھی خیال ہوتا کہ ایسے اکابرین کے مقابلہ میں خامہ فرسائی کرنا بے ادبی ہے۔ کبھی یوں جی چاہتا کہ علامہ طیبیؒ کے رخ انور سے گرد وغبار ہی اڑادینی چاہئے۔ بالآخر قلم کی چوٹ بری نے کرایستادہ ہو ہی گیا۔ پہلے خوردبین سے اس لفظ قلم زد کو دیکھا

یہ شکل ظاہر ہوئی " ..." اس کو دیکھ کر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ کاتب کے قلم کی روشنائی کچھ زیادہ ہو کر "ق" کی سی شکل ہوگی۔ نیز یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ کسی کاتب نے اگلی عبارت دیکھ کر موقعہ کے لحاظ سے اس کو " قدزہ " سمجھ کر نقاط کا اضافہ کردیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ یا تو " فدرۃ" ہوسکتا ہے۔ تاج العروس میں ہے۔ فدر الفحل یفدر بالکسر فدرا بالفتح و فدورا بالضم..... فھو فادر فتر وانقطع وجفر عن الضراب وعدل ... اب اصل عبارت یہ ہوجائیگی " فتمسک بسنۃ فدرۃ " اے منقطعہ متروکۃ ــــ یا "قدرۃ" ہے۔ تاج العروس والقدر بالتحریک قصر العنق قدر کفرح یقدر قدرا فھو اقدر قصیر العنق وقیل الاقدر القصیر من الرجال۔ اس عبارت پر غور کرتے ہوئے لفظ " قدرۃ " کنایۃ بمعنے صغیرۃ ہوسکتا ہے۔

یہ تحریف شدہ کلمہ یا یہی نسخہ ابن حجر کی نظر سے گذرا۔ اور بیچارے علامہ طیبیؒ مورد عتاب تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہمارا قیاس کردہ کلمہ بھی ملاحظہ ہو ہمنے خیال کیا تھا کہ یہاں لفظ " ندرۃ " ہونا چاہئے۔ مگر اس کا کچھ ثبوت ہم نہیں پہنچا تھا۔ اسی اثنا میں یہ بھی خیال تھا کہ کہیں سے اور کوئی نسخہ مل جائے تو اس سے مقابلہ کرلیا جائے۔ تلاش جاری تھی معلوم ہوا کہ رامپور میں جناب سید احمد شاہ صاحب قاضی شہر کے کتاب خانہ میں تین نسخے ہیں۔ میں نواب صاحب کا خط لے کر رامپور پہنچا۔ قاضی صاحب سے مدرسہ عالیہ میں نیاز حاصل ہوا۔ وہیں قاری اسمعیل صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی۔ جن سے پہلی واقفیت تھی۔ کتاب خانہ دیکھنے کا وقت ظہر سے عصر تک مقرر ہوا۔ رہنمائی قاری صاحب کے ذمہ قرار پائی۔ چنانچہ میں قاری صاحب کی معیت میں قاضی صاحب کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ بے حد اخلاق سے پیش آئے۔ کتاب خانہ میں نشست ہوئی طیبی کے نسخے نکالے گئے۔ جلسہ میں صرف تین اشخاص تھے قاضی صاحب۔ قاری اسمعیل صاحب۔ اور بندہ۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں کتابیں بھی دیکھی جارہی

تھیں۔ اور چائے کا دور بھی چل رہا تھا۔

میرا مقصد یہاں قاضی صاحب کو کتاب مستعار دینے پر راضی کرنا تھا۔ وہاں اس لفظ کی تحقیق بھی مطلوب تھی۔ چنانچہ قدیم ترین نسخے سے کردہ مقام نکالا۔ اس وقت یہ دیکھ کر مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ لفظ وہی نکلا۔ جو اپنا قیاس کردہ تھا۔

چائے کی پیالی رکھ دی اور اُچھل پڑا۔ فرطِ مسرت میں آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ صاحب خانہ کو استعجاب ہوا۔ تب میں نے فوراً گذشتہ واقعہ سنایا۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

افسوس کہ قاضی صاحب نے ہماری امید پر بیک جنبش زبان و قلم پانی پھیر دیا۔

ایک نظر ادھر بھی

سید کمال الدین حیدر الحسنی الحسینی الزیدی " تقویم بیت السلطنت لکھنؤ ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء مطبوعہ سلطانی " کے صفحہ ۴ خانہ اعداد ازواج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھے

" پانزدہ۔ بہترین ازواج خدیجۃ الکبری وام سلمہ۔ و بدترین۔
ازواج عائشہ وحفصہ دختران ابوبکر و عمر "

ہم اس وقت نہایت مصیبت و اضطراب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک طرف سید کمال الدین اور تاجدار سلطنت کا خوف کہ مذکورہ بالا جملہ پر ایک تنقیدی نظر ڈالنے میں اگر ذرا بھی خلاف طبع کمال دین سلطانی ہوگیا۔ تو عجیب نہیں کہ یہ دونوں حضرات بھی اسی وقت طیش میں آکر مراجعت فرمائیں۔ اور گردن زدنی کا حکم دے بیٹھیں۔ اس لئے کہ سید صاحب موصوف اس جنتری کے صفحہ ۲ سبب خوشی عید نوروز کی سطر آخر میں

لکھتے ہیں: "دراں روز قائم آل محمد صلی اللہ علیہ والہ ظاہر خواہد شد۔ وظفر خواہد یافت امامان دیگر بدنیا رجعت خواہند گرد"

دوسری جانب قرآن شریف کا ناطق حکم "وازواجہ امہاتھم" مسلمانو! رسول کی بیبیاں تمہاری مائیں ہیں۔ اور "ولاتقل لھما اف" اپنے والدین کو اُف (ہوں) بھی مت کہو۔ (چہ جائیکہ بدترین)

پس اگر اس ڈر کے مارے اس حکم کو فراموش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اور ایمانداروں کی پیاری ماں کی شان میں "بدترین" جیسا سخت اور گستاخانہ لفظ استعمال کریں تو آیتہ کریمۂ "من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا" الخ کا تازیانہ معلوم کب تک کہاں کھینچے گا۔ لہٰذا اس قسم کے الفاظ ایسے مواقع میں استعمال کرنے کو اچھا سمجھنے والے حضرات ہمیں راستہ بتائیں۔

سنی صاحب جب قیامت میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اب تو ذرا مزے اڑالیں ہم تو دین کمال کو ترجیح دیتے ہوئے عائشہ اور حفصہ کو (نعوذ باللہ) بدترین خبیث وغیرہ وغیرہ کہنے کو تیار ہیں۔

ناظرین! آپ آیندہ اس بیہودہ اور دلخراش لفظ کی جگہ صرف منقوط بیاض دیکھیں گے۔ وہاں پر اس کا صرف تصور کر لینا کافی ہے۔ اس سے سید کمال اور تاجدار لکھنؤ کی روح بھی آرام سے قبر کے کونے میں سوتی رہیگی۔ اور کیا عجب ہے کہ سلطان مرحوم کی مذہبی ولی عہدی کرتے ہوئے کوئی صاحب خوش ہو کر دس بارہ ہزار روپیہ انعام بخش دیں۔ جس سے زندگی کا تو خوب لطف اٹھا لیا جائے۔ مگر ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ آیۃ کریمہ "الخبیثات للخبیثین الخ" کو منطق شکل اول پر منطبق کرتے ہوئے ہر ایک جزو کے نتیجہ کو واضح طریقہ سے سمجھا دیا جائے آسانی کے لئے ناچیز ہم کھینچے دیتے ہیں۔

(۱) صغرٰی۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں۔

(۲) کبریٰ ۔ خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں ۔
(۳) نتیجہ ۔ خبیث عورتیں خبیث عورتوں کے لئے ہیں ۔

جملہ مفروضہ ۔ عائشہ اور حفصہ .... ہیں ۔ تو موافق مقدمہ ۱ ان کے مرد یعنی رسول کیا ہوئے ۔ اور جب رسول .... ہوئے تو موافق مقدمہ ۲ باقی ازواج کیا ہوئیں اور جب باقی ازواج .... ہوئیں ۔ تو موافق مقدمہ ۲ اولاد (فاطمہ) کیا ہوئیں ۔ اور جب فاطمہ .... ہوئیں تو بدستور سابق ؟ ۔ پھر سلسلہ بسلسلہ ایسے عقائد کو اچھا سمجھنے والے سادات کیا قرار پائیں گے ۔ اور پھر جب رسول .... ہوگیا تو اس کے پھیلائے ہوئے دین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی کیا وجہ ۔ اور اس کو فضیلت کیوں کر ہو سکتی ہے ۔

این گلے دیگر شگفت

ایک قدم آگے بڑھ کر خانہ ازواج حضرت علی میں تحریر فرماتے ہیں "دواز دہ سوائے کنیزان ۔ بہترین ازواج فاطمہ کہ امیر المومنین در حیات آں جناب نکاح دیگر نکرد"

جب معیار بہتری عدم نکاح ثانی بحیات زوجہ اوّل ٹھہرا تو جملہ سابقہ میں ام سلمہ کے بہترین ہو جانے کی کیا وجہ ۔ سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد"

ایک شیعہ صاحب نے یہ مضمون دیکھ کر کہا کہ امراۃ نوح و لوط کے متعلق کیا کہا جائے گا ۔

اللہ کے بندے یہ نہ سمجھے کہ ان کے متعلق قرآن نے ہی کہا ہے "فخانتا ھما" جبکی سزا ان کو مل گئی ۔ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہا کی کوئی خیانت ثابت کی جاتی تب "بدترین" کہنے کے حقدار تھے ۔ دوسرے "ما بدلنا آیۃ مکان آیۃ" کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے تھا ۔